حقیقت سے متعلق قواعد اصولیہ سے اخذ احکام میں امام جصاص اور قاضی ابن العربی کا منہج

The Methodology of Imam Jassas and Qazi Ibn al-Arabi in Deriving Rulings from Principles Related to Haqeeqat

Hafiz Muhammad Umar Farooq
PhD scholar Quran o Tafseer Department,
Allama Iqbal Open University, Islamabad
Email: m.umarfarooq.pk@gmail.com
Dr Ahmad Raza
Assistant Professor Islamic Thought, History and Culture
Allama Iqbal Open University, Islamabad
Email: ahmad.raza@aiou.edu.pk

ABSTRACT
In our daily conversations, we use various words and speak in different contexts. Sometimes, we take words in their literal meaning, and at other times, we understand them in a figurative sense. For instance, when a person dies in a road accident, it is often said that the driver "killed" him. Here, attributing the act of killing to the driver is figurative because only Allah has the power to give life and death. Similarly, in the Arabic language, literal (Haqeeqi) and figurative (majazi) meanings are also used. Since the Quran was revealed in eloquent Arabic, these language skills are found abundantly in it. For example, we see that the act of creation is often attributed to Allah in the Quran, which is literal and refers to the actual meaning of creation. However, in one or two instances, the act of creation is also attributed to Prophet Jesus (Isa), peace be upon him. When the word "creation" is used for Allah, it is in the literal sense, but when used for Prophet Jesus, it is figurative. Similarly, the word "Lord" (Rabb) is used for Allah, but in the story of Prophet Yusuf, it is also used for a king or master. In the first case, it is literal, while in the second, it is figurative.
The commentators of the Quran have taken these linguistic and idiomatic principles into account in their interpretations. Over time, these principles have been formalized into rules. Considering these rules related to literal meanings (Haqeeqat), the tafaseer of Imam Jassas and Qadi Ibn al-Arabi have been studied in this article.
Keywords: Haqeeqah, Literal, Tafsir, Imam Jassas, Qadi Ibn al-Arab

تمہید

تحریر میں یا دوران گفتگو استعمال ہونے والے الفاظ اکثر اوقات اسی مخصوص معنیٰ کے لیے ہی استعمال کیے جاتے ہیں جس کے لیے وہ وضع ہوئے ہیں اور بعض اوقات کسی مخصوص قرینہ کی وجہ سے اس معنیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوتے بلکہ کسی اور معنیٰ کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ پہلی صورت میں حقیقت کہلاتا ہے جب کہ دوسری صورت میں مجاز کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی الفاظ کے یہ دونوں معانی موجود ہیں۔ امام جصاص اور قاضی ابن العربی نے اپنی تفاسیر میں حقیقت اور مجاز سے متعلقہ اصولی قواعد کو بنیاد بناتے ہوئے چند مسائل پر احکامات لگائے ہیں۔ ذیل میں حقیقت سے متعلقہ قواعد کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں تفاسیر کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

حقیقت کا لغوی مفہوم

حقیقت کا لفظ حق سے ماخوذ ہے اس کا وزن فعیلہ ہے۔ عربی میں فعیلہ کا وزن فاعل اور مفعول دونوں معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فعیلہ فاعل کے معنی میں ہو تو حق یحق بمعنی ثبت سے ماخوذ ہو گا اور حقیقت کا مطلب ہو گا ثابت یعنی ثابت شدہ چیز۔ اور اگر مفعول کے معنی میں ہو تو حققت الشئ سے ماخوذ ہو گا۔ اس صورت میں حقیقت کا مطلب ہو گا مثبت یعنی وہ چیز جس کو ثابت کر دیا گیا ہو۔[1]

حقیقت کا اصطلاحی مفہوم

حقیقت کی درج ذیل تعریفات کی گئی ہیں:

انها اللفظ المستعمل فيما وضع له[2]

"حقیقت وہ لفظ ہے جو اپنے معنیٰ موضوع لہ میں استعمال ہو۔"

كل لفظ وضعه واضع اللغة بازاء شيء فهو حقيقه له[3]

"ہر وہ لفظ جو اہل لغت نے کسی چیز کے مقابلے میں وضع کیا ہو وہ اس کے لیے حقیقت ہے۔"

كل لفظ يبقى على موضوعه ولم ينقل الى غيره[4]

ہر وہ لفظ جو اپنے موضوع معنیٰ دے اور اس کے علاوہ کسی اور معنیٰ کی طرف منتقل نہ ہو۔

ان تعریفات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت بنیادی طور پر ہر وہ لفظ ہے جو اپنے اس اصل معنی میں استعمال ہو جس کے لیے اہل لغت نے شروع میں اسے وضع کیا تھا۔ وہ لفظ اپنا اصلی معنی چھوڑ کر کسی دوسرے معنی یا مفہوم کے لیے استعمال نہ ہو۔ جب وہ لفظ اپنے اصلی موضوع لہٗ معنیٰ دے گا تو حقیقت کہلائے گا اور اگر اس معنیٰ سے ہٹ کر کوئی اور معنیٰ کسی قرینہ یا دلیل کی بنیاد پر دے گا تو مجاز کہلائے گا۔

حقیقت کی اقسام

اوپر مذکور حقیقت کی تعریف سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت کا تعلق صرف اہل لغت کی ہی وضع کے ساتھ ہے۔فی الواقع ایسا نہیں ہے۔شریعت اور عرف کی وضع بھی حقیقت کہلاتی ہے۔لہٰذا حقیقت کی تین اقسام ہیں:

حقیقت لغوی

اگر اہل لغت نے کسی لفظ کو مخصوص معنی کے لیے وضع کیا ہو تو وہ حقیقت لغوی کہلاتا ہے مثلا اسد (شیر) کے لفظ سے اگر ایک مخصوص جانور مراد ہو تو یہ حقیقت لغویہ ہو گا۔

حقیقت شرعی

اگر شارع نے کسی لفظ کو مخصوص معنی کے لیے وضع کیا ہو تو وہ حقیقت شریعہ کہلاتا ہے جیسے صلاۃ کا لفظ نماز یعنی مخصوص ارکان کی ادائیگی کے لیے بولا جائے۔چونکہ صلاۃ کو یہ معنیٰ شریعت نے دیا ہے اس لیے اس معنیٰ میں صلاۃ کے لفظ کا استعمال بھی حقیقت شرعیہ کہلائے گا۔

حقیقت عرفی

اگر لوگوں کی مخصوص جماعت یا عام لوگوں نے لفظ کو مخصوص معنی کے لیے وضع کیا ہو تو وہ حقیقت عرفی کہلائے گا۔ حقیقت عرفی کی مزید دو اقسام ہیں۔اگر لوگوں کی مخصوص جماعت نے نام وضع کیا ہے تو وہ عرف خاص ہو گا جیسا کہ نحویوں کے نزدیک رفع نصب اور جر وغیرہ کی اصطلاحات اور اگر عام لوگوں نے لفظ وضع کیا ہو تو وہ عرف عام کہلائے گا جیسا کہ دابۃ کا لفظ چوپایۓ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

حقیقت کا حکم

حقیقت کا حکم یہ ہے کہ جو لفظ جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو وہ معنی اس سے ثابت ہوں گے اور شرعی حکم بھی اس معنی کے ساتھ متعلق ہو گا، مثلا کوئی شخص زید کی اولاد کے لیے وصیت کرتا ہے تو یہ وصیت زید کی اولاد کے لیے ثابت ہو گی۔ایسے ہی حقیقت کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ مجاز کے مقابلے میں اسے ترجیح حاصل ہو گی یعنی جہاں تک ممکن ہو الفظ کو اس کے حقیقی معنی میں استعمال کیا جائے گا مثلا اوپر کی مثال میں زید کی اولاد یعنی اس کے بیٹے اس لفظ کا حقیقی معنی ہیں اور زید کے پوتے اس لفظ کا مجازی معنی ہے۔لہٰذا وصیت بیٹوں کے حق میں قبول کی جائے گی نہ کہ پوتوں کے حق میں۔

1- الحقيقة مقدمة على المجاز

2- هل يجوز الجمع بين الحقيقية والمجاز فی لفظ واحد؟

پہلے قاعدہ کا مطالعہ

الحقيقة مقدمة على المجاز

یہ قاعدہ اوپر مذکور الفاظ سے ہٹ کر درج ذیل الفاظ سے بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ مفہوم ایک ہی ہے۔

لا يصح حمل اللفظ على المجاز واسقاط الحقيقة بغير دليل[5]

لا يجوز العدول من الحقيقهة الى المجاز[6]

حكم اللفظ حمله على الحقيقهة حتى تقوم دلالة المجاز[7]

الواجب حمل اللفظ على حقيقته [8]

حمل اللفظ على حقيقته اولى من حمله على المجاز[9]

وجب حمل اللفظ على الحقيقة[10]

لا يجوز صرف اللفظ عن الحقيقه الى المجاز الا بدلالة[11]

الاصل في الكلام الحقيقة[12]

متى امكن العمل بالحقيقة سقط المجاز [13]

اذا تردد اللفظ بين الحقيقة والمجاز من غير ترجيح حمل على الحقيقة[14]

الحقيقه اصل والمجاز عارض [15]

حمل الكلام على الحقيقه اولى من حمله على المجاز

قاعدہ کا مفہوم

جب کسی ایک لفظ کے حقیقی معنی اور مجازی معنی دونوں اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی کوئی دلیل موجود نہ ہو تو ایسے میں اس لفظ کو اس حقیقی معنی پر محمول کیا جائے گا جو واضح نے شروع میں اس کے لیے متعین کیا تھا۔ ہاں اگر مجازی معنی مراد لینے پر کوئی دلیل یا قرینہ موجود ہو تو پھر مجازی معنی مراد لیا جائے گا اس لیے کہ الفاظ میں حقیقت اصل ہے اور مجاز خلاف اصل ہے۔

اتفاقی قاعدہ

یہ ایک اتفاقی قاعدہ ہے۔ ائمہ اربعہ اس کا اعتبار کرتے ہیں۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ اگر مجاز راجح ہو اور حقیقت مرجوح ہو تو تب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حقیقت راجح ہو گی جبکہ جمہور احناف اور حنابلہ کے نزدیک مجاز راجح ہو گا مالکیہ اور شوافع کے نزدیک یہ لفظ مجمل شمار ہو گا بیان کے آنے تک اس میں توقف کیا جائے گا۔

قاعدہ کی حجیت کے دلائل

اس قاعدہ کا ثبوت درج ذیل دلائل سے بھی ہوتا ہے:

اجماع

اہل عرب جب کوئی لفظ بولتے ہیں تو اس کا حقیقی معنی اس کا پہلا مصداق ہوتا ہے اور یہ بات اہل لغت کے نزدیک تواتر سے ثابت ہے

عقل

حقیقت چونکہ اصل ہے اور مجاز اس کا خلیفہ ہے۔ عقل کا تقاضا ہے کہ اصل کی موجودگی میں فرع اور مجاز کی طرف نہیں جایا جائے گا۔

قاعدہ اصولیہ سے امام جصاص اور قاضی ابن العربی کا استدلال

یہ چونکہ ایک اتفاقی قاعدہ ہے لہٰذا امام جصاص اور قاضی ابن العربی دونوں نے اس سے مختلف مقامات پر استدلال کیا ہے، بالخصوص امام جصاص نے بکثرت مسائل کی بیان کے ضمن میں اس اصول کو مد نظر رکھا ہے۔ ذیل میں چند مسائل کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

زانیہ سے نکاح کا حکم

سورۃ نور کی آیت مبارکہ ہے:

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘-وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌۚ[16]

زنا کرنے والا مرد بدکار عورت یا مشرکہ سے ہی نکاح کرے گا اور بدکار عورت سے زانی یا مشرک ہی نکاح کرے گا۔

اس آیت مبارکہ میں لفظ نکاح استعمال ہوا ہے لفظ نکاح کا حقیقی معنی جماع کرنا اور مباشرت کرنا ہے جبکہ مجازی معنی عقد کرنا ہے۔

امام جصاص کے ہاں مسئلہ کی وضاحت

امام جصاص نے مختصرا اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں زانیہ سے نکاح کی نفی کے دو معانی ہو سکتے ہیں: اس سے مراد خبر دینا ہے کہ زانیہ سے زانی شخص ہی نکاح کرتا ہے۔ عفیف مرد کا میلان اس کی طرف نہیں ہوتا۔ جب کہ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اس سے مراد ممانعت ہے اور یہ حکم ہے کہ زانیہ سے نکاح مت کرو۔[17] امام جصاص فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ میں جملہ خبریہ استعمال ہوا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا مفہوم خبر دینا ہے کہ زانی مرد زانی عورت سے ہی نکاح کرتا ہے اور زانیہ عورت زانی مرد سے ہی نکاح کرتی

ہے۔ لیکن آیت کا یہ معنی مراد لینا درست نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں بعض اوقات زانی مرد پاک دامن عورت سے بھی نکاح کرتا ہے اور اسی طرح زانیہ عورت بھی بعض اوقات پاک دامن اور عفیف مرد سے نکاح کرتی ہے۔ لہذا یہ ثابت ہوا کہ آیت خبر نہیں دے رہی بلکہ حکم دے رہی ہے اور ممانعت کو بتا رہی ہے کہ عفیف مرد کا زانیہ سے نکاح جائز نہیں اور ایسے ہی پاک دامن عورت کا زانی سے نکاح جائز نہیں۔ اس بارے میں فقہاء صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی اختلاف ہے؛ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم ور تابعین میں سے مجاہدؒ اور سعید بن جبیرؒ کے نزدیک اگر کسی عورت نے زنا کیا ہو تو زانی یا کوئی اور شخص بعد میں اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک زانیہ سے نکاح جائز نہیں ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے۔[18]

جو حضرات نکاح کو جائز قرار نہیں دیتے یہ آیت مبارکہ ان کی دلیل ہے مزید براں یہ کہ اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے حضرت مرثد بن ابو مرثد کا جو واقعہ بیان فرمایا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زانیہ سے نکاح کی اجازت نہیں۔[19] جمہور صاحبہ کرام اور اور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ زانیہ سے نکاح جائز ہے بالخصوص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے کہ یہاں لفظ نکاح سے مراد عقد نکاح نہیں بلکہ جماع کرنا اور وطی کرنا ہے۔ مراد یہ ہے کہ زانی مرد زانی عورت کے ساتھ ہی جماع کرتا ہے اور ناجائز تعلق رکھتا ہے اور ایسے ہی زانی عورت زانی مرد سے ہی جماع کرتی ہے۔ عفیف اور پاک دامن لوگ زانیوں سے دور رہتے ہیں۔ امام جصاص فرماتے ہیں:

روي عن ابن عباس ومن تابعه في أن المراد الجماع ولا يصرف إلى العقد إلا بدلالة لأنه مجاز ولأنه إذا ثبت أنه قد أريد به الحقيقة انتفى دخول المجاز فيه۔[20]

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کے متبعین کے نزدیک یہاں نکاح کے لفظ سے مراد جماع ہے۔ اور کسی قرینہ کے بغیر عقد کا معنیٰ مراد نہیں لیا جائے گا کیونکہ عقد کا معنیٰ مجازی معنیٰ ہے۔ مزید یہ کہ جب حقیقی معنیٰ مراد لے لیا گیا تو مجازی معنیٰ کی اصولی طور پر نفی ہو گئی۔"

امام جصاص نے حضرت ابن عباس کے موقف کی دلیل میں اس قاعدہ اصولیہ کا سہارا لیا ہے کہ لفظ کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کیا جائے گا نہ کہ مجازی معنی پر۔ یہاں لفظ کا حقیقی معنی جماع کرنا ہے جبکہ مجازی معنی عقد کرنا ہے۔ مزید یہ کہ امام جصاص کے نزدیک آیت کے دو ہی مطلب مراد ہو سکتے ہیں۔ امام جصاص فرماتے ہیں:

فدل ذلك على أحد المعنيين إما أن يكون المراد الجماع على ما روي عن ابن عباس ومن تابعه أو أن يكون حكم الآية منسوخا۔[21]

ایک مطلب تو وہی جو اوپر مذکور ہے کہ نکاح سے مراد جماع ہے۔ جماع کا معنیٰ مراد لینے سے آیت کے مفہوم میں کوئی پیچیدگی نہیں رہتی۔ اور اگر آیت میں نکاح سے مراد عقد لیا جائے جیسے کہ بعض مفسرین نے لیا ہے تو امام جصاص کے نزدیک اس صورت میں یہ آیت منسوخ شمار کی جائے گی۔ سورۃ نور کی آیت نمبر 32[22] اس آیت کے لیے ناسخ ہوگی۔

قاضی ابن العربی کے نزدیک اس مسئلہ کی وضاحت

قاضی ابن العربی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تین مسائل بیان فرمائے۔ پہلے مسئلہ کے تحت اس آیت کا شان نزول بتایا۔ شان نزول میں چھ اقوال ذکر کیے۔ دوسرے مسئلہ کے تحت آپ نے بتایا کہ یہ آیت مبارکہ قران کے مشکل مقامات میں سے ایک ہے۔ وجہ یہ ذکر کی کہ یہ خبر کے صیغے کے ساتھ ہے یعنی یہ بتا رہی ہے کہ زانی زانیہ سے ہی نکاح کرتا ہے حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سارے زانی مرد پاک دامن عورتوں کے ساتھ بھی نکاح کرتے ہیں۔ قاضی ابن العربی نے اس گتھی کو سلجھانے کے لیے اس آیت کی تفسیر میں مختلف ائمہ کے اقوال ذکر کیے اور پھر مسئلہ ثالثہ کے تحت ان اقوال پر تفصیلی کلام کیا۔ قاضی ابن العربی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام مالک کا کوئی قول ان کی نظر سے نہیں گزرا۔[23] آیت میں نکاح سے مراد جماع کرنا اور عقد نکاح کرنا دونوں مراد لیے جاسکتے ہیں۔ قاضی ابن العربی کے نزدیک اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علماء کے تمام اقوال میں سے زیادہ صحیح قول حضرت ابن عباس کا ہے کہ یہاں سے نکاح کا حقیقی معنیٰ جماع مراد ہے نہ مجازی معنیٰ عقد نکاح۔ قاضی ابن العربی فرماتے ہیں: يكون تقدير الآية وطء الزنا لا يقع إلا من زان أو مشرك، وهذا يؤثر عن ابن عباس؛ وهو معنى صحيح.[24] قاضی ابن العربی کے نزدیک یہ آیت مبارکہ نہی یا حرمت کا فائدہ نہیں دے رہی بلکہ صرف نفی پر دال ہے کہ زانیہ کی طرف عفیف شخص کا میلان اور جسمانی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ بتانا مقصود نہیں ہے کہ زانیہ سے نکاح جائز نہیں ہے۔ زانیہ سے نکاح کی صورت میں قاضی ابن العربی ایک اضافی شرط کے قائل ہیں۔ مختلف احادیث اور اثار صحابہ کی بنیاد پر قاضی ابن العربی فرماتے ہیں کہ زانیہ سے استبرائے رحم اور ایک سال کی جلاوطنی کے بعد ہی نکاح کیا جائے۔ وهذا أقرب إلى الصواب وأشبه بالنظر، وهو أن يكون الزواج بعد تمام التغريب[25]

زیادہ مناسب بات یہی ہے کہ زانیہ سے نکاح ایک سال کی جلاوطنی کے بعد ہی کیا جائے۔

بطور دلیل آپ نے چند احادیث مبارکہ اور اثار ذکر کیے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں ایسے معاملات مجرمین کو جلاوطن کیا گیا تھا۔[26] قاضی ابن العربی اس آیت مبارکہ کو دوسری آیت سے منسوخ بھی نہیں مانتے بلکہ ان کے نزدیک یہ آیت یا تو عام کی تخصیص ہے یا پھر مجمل کا بیان ہے۔[27]

امام جصاص اور قاضی ابن العربی دونوں کے نزدیک آیت مبارکہ میں نکاح سے اس کا حقیقی معنی مراد ہے یہ لفظ حقیقت پر محمول ہوگا نہ کہ مجاز پر۔ کیونکہ حقیقی معنیٰ کی موجودگی میں بغیر کسی قرینہ کے مجازی معنیٰ مراد لینا دونوں مفسرین کے ہاں جائز نہیں۔ دونوں مفسرین نے حضرت ابن عباس کی تفسیر کو ترجیح دی ہے جس کے مطابق نکاح سے مراد جماع ہے۔ دونوں کے نزدیک یہ آیت خبر ہے، انشاء اور حکم نہیں ہے۔ امام جصاص نے آیت کے منسوخ ہونے کا بھی ذکر کیا ہے جبکہ قاضی ابن العربی کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

قاضی ابن العربی کے اس قاعدہ سے مزید استدلال

قاضی ابن العربی نے اپنی تفسیر میں مسائل کا استنباط کرتے ہوئے اس قاعدہ اصولیہ کا بہت سارے مقامات پر سہارا لیا ہے۔ بطور مثال چند مقامات ذکر کیے جاتے ہیں:

تین اور زیتون کا معنی

سورہ تین کی تفسیر کرتے ہوئے تین اور زیتون کے معنی پر قاضی ابن العربی نے بحث کی ہے۔ تین اور زیتون سے کیا مراد ہے؟ علماء کے اس میں دو اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس کا حقیقی معنی ہے اور اللہ تعالی نے انجیر اور زیتون کی ہی قسم کھائی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس کا مجازی معنی ہے زیتون اور انجیر کی قسم نہیں گئی بلکہ یہ درخت جہاں بکثرت پیدا ہوتے ہیں اس سرزمین کی قسم کھائی گئی ہے اور وہ سرزمین دمشق اور فلسطین کا علاقہ ہے یا وہاں کے پہاڑ اور مساجد ہیں۔ قاضی ابن العربی فرماتے ہیں: {والتين والزيتون} [التين: ١]: قيل: هو حقيقة. وقيل: عبر به عن دمشق أو جبلها، أو مسجدها، ولا يعدل عن الحقيقة إلى المجاز إلا بدليل.[28]

قاضی ابن العربی کے نزدیک الفاظ کو ان کے حقیقی معنی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ یہ اصول ہے کہ بغیر کسی دلیل کے مجاز کی طرف نہیں جایا جائے گا۔

تحیہ سے مراد سلام کرنا ہے

آیت مبارکہ ہے: وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ[29]

اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو۔

اس آیت مبارکہ میں تحیۃ سے مراد قاضی ابن العربی کے نزدیک سلام ہے۔ قاضی ابن العربی نے احناف کے حوالے سے لکھا کہ احناف کے نزدیک یہاں تحیۃ سے مراد ہدیہ ہے۔ قال أصحاب أبي حنيفة: التحية هاهنا الهدية۔[30] احناف اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ آپ کو کوئی ہدیہ دے تو اچھے طریقے سے اس کا عوض دو۔ قاضی ابن العربی فرماتے ہیں تحیہ سے مراد یہاں سلام کرنا ہے۔ مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہاں تحیہ سے مراد سلام ہے۔ تحیہ کا لفظ حیاۃ سے نکلا ہے۔ قلنا: التحية تفعلة من الحياة، وهي تنطلق في لسان العرب على وجوه---- ومنها السلام، وهو أشهرها[31] "عرب اس کو کئی سارے معانی میں استعمال کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور اور متداول معنیٰ سلام کرنا ہے۔ "اہل عرب تحیہ کا لفظ بول کر ہدیہ بھی مراد لیتے ہیں لیکن وہ بطور حقیقت نہیں بلکہ بطور مجاز ہے اور حقیقی معنی کی موجودگی میں مجازی معنی کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ ولا يصح حمل اللفظ على المجاز، وإسقاط الحقيقة بغير دليل.[32]

حالت احرام میں شکار کرنے کا کفارہ

آیت مبارکہ ہے:

وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ[33]

اور تم میں جو اسے قصداً قتل کرے تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ مویشیوں میں سے اسی طرح کا وہ جانور دیدے۔

آیت مبارکہ کے اس ٹکڑے میں حالت احرام میں شکار کرنے کی صورت میں اس کے کفارے کا بیان ہے یہ بتایا گیا ہے کہ شکار کی صورت میں جس جانور کا شکار کیا ہے اس کے مساوی جانور یا اس جیسا جانور بطور کفارہ دیا جائے گا۔ یہاں مساوی سے قاضی ابن العربی کے نزدیک قیمت میں مساوی ہونا مراد نہیں ہے بلکہ خلقت اور قد و قامت میں مساوی ہونا مراد ہے، یعنی اگر ہرن کا شکار کیا تو اس کے مساوی بکری کفارے میں دی جائے گی وغیرہ۔ احناف قیمت میں مساوات کا اعتبار کرتے ہیں۔ قاضی ابن العربی نے اس قاعدہ اصولیہ کا سہارا لیتے ہوئے احناف کے موقف کا رد کیا ہے۔ قاضی ابن العربی فرماتے ہیں:

فإذا أطلق المثل اقتضى بظاهره حمله على الشبه الصوري دون المعنى، لوجوب الابتداء بالحقيقة في مطلق الألفاظ قبل المجاز حتى يقتضي الدليل ما يقضي فيه من صرفه عن حقيقته إلى مجازه؛ فالواجب هو المثل الخلقي۔[34]

"جب ثمن کا مطلقاً ذکر ہے تو اس کو مثل صوری پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ مطلق الفاظ کا پہلے حقیقی معنیٰ مراد لینا واجب ہے، یہاں تک کہ کوئی ایسی دلیل آجائے جو اس لفظ کو اس کے مجازی معنیٰ کی طرف پھیر دے۔ لہٰذا یہاں مثل خلقی واجب ہو گا۔"

المزمل سے مراد

سورہ مزمل میں مزمل سے کیا مراد ہے؟ مزمل کا ایک حقیقی معنی ہے کپڑے میں لپٹا ہوا، اور ایک مجازی معنی ہے کہ "نبوت کا بار گراں اٹھانے والا"۔ قاضی ابن العربی اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فمنهم من حمله على حقيقته--- ومنهم من حمله على المجاز--- [فأما العدول عن الحقيقة إلى المجاز فلا يحتاج إليه لا سيما وفيه خلاف الظاهر[35]

"بعض مفسرین نے اس کا حقیقی معنیٰ مراد لیا ہے جبکہ بعض کے نزدیک اس کا مجازی معنیٰ مراد ہے۔ جبکہ حقیقی معنیٰ کو چھوڑ کر مجازی معنیٰ مراد لینا درست نہیں بالخصوص جب وہ خلاف ظاہر بھی ہو"۔

قاضی ابن العربی کے نزدیک مزمل سے اس کا حقیقی معنی مراد لیا جائے گا۔ بطور دلیل آپ نے اس قاعدہ اصولیہ کا سہارا لیا۔

امام جصاص کے اس قاعدہ سے مزید استدلال

امام جصاص نے بھی اپنی تفسیر میں مسائل کا استنباط کرتے ہوئے اس قاعدہ اصولیہ کا بہت سارے مقامات پر سہارا لیا ہے۔ بطور مثال چند مقامات ذکر کیے جاتے ہیں:

عاریتاً لی ہوئی چیز کی ہلاکت پر ضمان نہیں ہے

امام جصاص کے نزدیک اگر کسی سے کوئی چیز مانگ کر عاریتاً لی اور وہ پھر ضائع ہو گئی تو لینے والے پر ضمان نہیں آئے گا، اگرچہ لیتے ہوئے ہلاک ہونے کی صورت میں اس نے ضمان کی ذمہ داری ہی کیوں نہ اٹھائی ہو۔ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ امام جصاص نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے اپنے موقف کی تائید میں جہاں دیگر دلائل دیے ہیں وہیں اس اصولی قاعدہ کو بھی ذکر کیا ہے کہ اس شخص کی ذمہ داری تھی کہ عاریتاً لی ہوئی چیز بعینہ واپس کرتا۔ اب جب وہ ہلاک ہو گئی ہے تو اس سے اس کی قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ قیمت تو مجاز ہے اور حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کی طرف نہیں جایا جائے گا۔ امام جصاص فرماتے ہیں: وهذا يقتضي ضمان عينها بالرد لا ضمان قيمتها إذ لم يقل أضمن قيمتها وغير جائز صرف اللفظ عن الحقيقة إلى المجاز إلا بدلالة[36]

ضمان بھرنے کی ذمہ داری اٹھانے کی صورت میں اس پر وہی چیز واپس کرنا ضروری تھا نہ کہ اس چیز کی قیمت کیونکہ اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں اس کی قیمت کا ضمان اٹھاؤں گا۔ لفظ کے حقیقی معنیٰ کو چھوڑ کر مجازی معنیٰ کی طرف جانا بغیر کسی دلیل کے جائز نہیں۔

نشہ کی حالت میں مسجد سے گزرنا

امام جصاص فرماتے ہیں کہ نشے کی حالت نماز کے قریب جانے سے منع کیا گیا ہے۔ آیت مبارکہ میں صلاۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور صلاۃ مخصوص افعال کی ادائیگی کا نام ہے۔ صلاۃ کا لفظ بول کر مخصوص افعال کی ادائیگی مراد لی جائے گی تو یہ اس لفظ کا حقیقت میں استعمال کرنا ہوگا اور صلاۃ کا لفظ بول کر مسجد مراد لینا اس کا مجازی معنی ہے۔ لہذا اس آیت مبارکہ سے نشہ کی حالت میں مسجد یا مسجد کے قریب جانے کی نہیں ثابت نہیں ہوگی کیونکہ جب تک لفظ کا حقیقی معنی پر عمل کرنا ممکن ہو تب تک بغیر کسی دلیل کے اس کے مجازی معنی مراد نہیں لیا جاسکتا۔ امام جصاص فرماتے ہیں: لأن قوله تعالى لا تقربوا الصلاة وأنتم سكارى نهى عن فعل الصلاة في هذه الحال لا عن المسجد لأن ذلك حقيقة اللفظ[37]

"قول باری تعالیٰ میں نشہ کی حالت میں نماز کی ادائیگی سے نھی وارد ہوئی ہے نہ کہ مسجد سے۔ کونکہ لفظ کا حقیقی معنیٰ یہی ہے۔"

امام جصاص نے اس مسئلہ کو اسی قاعدہ اصولیہ کا سہارا لیتے ہوئے بیان فرمایا۔ آپ کے نزدیک صلاۃ کا حقیقی معنیٰ نماز ہے نہ کہ مسجد۔ امام جصاص آگے فرماتے ہیں: ومتى أمكننا استعمال اللفظ على حقيقته لم يجز صرفه عنها إلى المجاز إلا بدلالة ولا دلالة توجب صرف ذلك عن الحقيقة[38]"جب تک لفظ کے حقیقی معنیٰ پر عمل کرنا ممکن ہو تب تک بغیر کسی دلیل کے مجاز کی طرف نہیں جایا جائے گا۔ اور یہاں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔"

نماز میں قرات قرآن فرض ہے۔

سورہ مزمل کی اخری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام جصاص نے نماز اور قرات کے مسائل کو مختصر بیان فرمایا ہے۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ[39] "قرآن میں سے جتنا آسان ہو اتنا پڑھو"۔ آیت کے اس ٹکڑے یہ ثابت کیا ہے کہ نماز میں نفس قرات فرض ہے۔ کیونکہ یہاں امر کا صیغہ ہے اور امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے آیت کے اس ٹکڑے میں قرات کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ نفس نماز پڑھنے کا۔ قراۃ کے لفظ سے صلاۃ کا معنی مراد لینا مجاز ہے۔ امام فرماتے ہیں: فإن قيل إنما المراد بقوله تعالى فاقرؤا ما تيسر من القرآن الصلاة نفسها فلا دلالة فيه على وجوب القراءة فيها قيل له هذا غلط لأن فيه صرف الكلام عن حقيقة معناه إلى المجاز وهذا لا يجوز إلا بدلالة[40] "اگر یہ کہا جائے کہ قول باری تعالیٰ سے مراد نفس نماز پڑھنا ہے۔ اس سے

قراءت کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ بات غلط ہے کیونکہ اس صورت میں کلام کے معانی کو حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرنا لازم آئے گا جو کہ بغیر دلیل کے جائز نہیں۔"

حیض کی کم سے کم مدت

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 222 کی تفسیر کرتے ہوئے امام جصاص نے حیض سے متعلقہ مسائل کا بیان فرمایا ہے۔ حیض کی کم سے کم مدت امام جصاص کے نزدیک تین دن ہے۔ اس پر آپ نے تفصیلی دلائل دیے ہیں۔ ایک اعتراض اور اس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے یوں فرمایا: فإن قيل إن اسم الأيام قد يقع على يومين فيجب أن يجعل أقل الحيض يومين لوقوع الاسم عليها قيل له إنما يطلق اسم الأيام عليهما مجازا وحقيقتها ثلاثة فما فوقها وحكم اللفظ أن يحمل على حقيقته حتى تقوم الدلالة على جواز صرفه إلى المجاز۔[41] "اگر یہ کہا جائے کہ ایام کے لفظ کا اطلاق دو دن پر بھی ہوتا ہے لہٰذا حیض کی کم سے کم مدت دو دن ہونی چاہیے تو جواب میں کہا جائے گا کہ ایام کے لفظ سے دو دن مراد لینا بطور مجاز ہے۔ ایام کا حقیقی معنیٰ تین یا اس سے زیادہ دن ہیں اور لفظ کا حکم یہ ہے کہ اس سے اس کا حقیقی معنیٰ مراد لیا جائے گا یہاں تک کہ مجازی معنیٰ مراد لینے پر کوئی دلیل آجائے۔" یہاں بھی امام جصاص نے اسی قاعدہ اصولیہ کا سہارا لیا۔

دوسرے قاعدہ کا مطالعہ

قاعدہ هل يجوز الجمع بين الحقيقية والمجاز في لفظ واحد؟

کیا حقیقت و مجاز کو ایک لفظ میں جمع کیا جا سکتا ہے؟

مفہوم

ایک لفظ سے ایک ہی حالت میں حقیقت و مجاز مراد لینا امام جصاص کے ہاں جائز نہیں ہے، جبکہ قاضی ابن العربی کے ہاں جائز ہے۔ احناف اور بعض شوافع کے نزدیک حقیقت اور مجاز کو ایک لفظ میں جمع کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی لفظ سے اس کا حقیقی معنی مراد لیا جائے گا تو مجازی معنی مراد نہیں لیا جا سکتا، ہاں اگر کسی وجہ سے حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہ ہو تو مجازی معنی مراد لیا جائے گا۔ لیکن دونوں بیک وقت مراد نہیں ہوں گے۔[42] شوافع، مالکیہ اور حنابلہ میں سے بعض محققین کے ہاں حقیقت اور مجاز کو مطلقا ایک لفظ میں جمع کیا جا سکتا ہے یعنی ایک ہی لفظ سے ایک ہی وقت میں دونوں معنی بیک وقت مراد لینا جائز ہے۔[43]

مذکورہ قاعدہ سے امام جصاص کا استدلال

امام جصاص نے اس قاعدہ سے اکثر استدلال کیا ہے۔ چند ایک مقامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

بیوی کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا

آیت مبارکہ میں لمس سے مراد جماع ہے۔ہاتھ سے چھونا یا بوسہ دینا مراد نہیں ہے کیونکہ ہاتھ سے چھونا اس لفظ کا حقیقی معنی ہے۔اور جماع اس کا مجازی معنی ہے۔جب مجازی معنی مراد لے لیا تو حقیقی معنی مراد نہیں لیا جائے گا۔ تاکہ حقیقت اور مجاز میں جمع کرنا لازم نہ آئے۔ امام جصاص فرماتے ہیں: ومن جهة أخرى يمتنع ذلك وهو أن الجماع مجاز والحقيقة هو اللمس باليد ولا يجوز أن يكون لفظ واحد حقيقة مجازا في حال واحدة[44]

"یہ مفہوم مراد نہ لینے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔وہ یہ کہ جماع اس لفظ کا مجازی معنیٰ ہے جبکہ حقیقی معنیٰ ہاتھ سے چھونا ہے۔اور ایک ہی حالت میں ایک لفظ حقیقت اور مجاز دونوں نہیں ہو سکتا۔"

قاضی ابن العربی کی رائے

قاضی ابن العربی کے نزدیک یہاں دونوں معانی مراد ہیں۔اگر کوئی شخص شہوت سے بیوی کو چھوتا ہے یا بوسہ دیتا، اسی طرح اگر جماع کرتا ہے ہر صورت اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔[45]

اعتکاف کی حالت میں بیوی کو چھونا

آیت مبارکہ ہے:

وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَۙ-فِی الْمَسٰجِدِؕ[46]

"اور عورتوں سے ہم بستری نہ کرو جبکہ تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو۔"

اس آیت مبارکہ میں اعتکاف کی حالت میں بیوی سے مباشرت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ امام جصاص کے نزدیک یہاں مباشرت کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے۔ مباشرت کا حقیقی معنی جسم کو جسم کے ساتھ ملانا ہے اس میں ہاتھ سے چھونا بھی شامل ہے۔ مباشرت کا مجازی معنی جماع کرنا ہے۔ یہاں مباشرت سے اس کا مجازی معنی مراد ہے۔جب مجازی معنی مراد لے لیا تو پھر حقیقی معنی کی نفی ہو گئی لہذا دوران اعتکاف ایک شخص کا اپنی بیوی کو چھونا جائز ہے۔ امام جصاص فرماتے ہیں؛ وجب أن تنتفي إرادة المباشرة التي هي حقيقة لامتناع كون لفظ واحد حقيقة مجازا[47]

"مباشرت کے معنیٰ کی نفی یہاں واجب ہے اس لیے کہ ایک لفظ سے حقیقی اور مجازی دونوں معانی مراد لینا جائز نہیں ہے"

امام جصاص نے تفصیل سے اس مسئلہ میں علماء کے اختلاف پر روشنی ڈالی ہے جس کے ذکر کا یہ مقام نہیں ہے۔

قاضی ابن العربی کی رائے

قاضی ابن العربی کے نزدیک یہاں مباشرت سے مراد چھونا، بوسہ دینا اور جماع کرنا سب ہے۔ قاضی ابن العربی کے نزدیک دوران اعتکاف معتکف اپنی بیوی کو چھو نہیں سکتا۔ قاضی ابن العربی فرماتے ہیں : {ولا تباشروهن} [البقرة: ١٨٧]: إنه اللمس والقبلة[48]"اس سے چھونا اور بوسہ دینا بھی مراد ہے۔" قاضی ابن العربی ایک معترض کے اعتراض اور اس کے جواب کے ذریعے مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہیں۔اعتراض یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں دو مرتبہ مباشرت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔کیا وجہ ہے کہ ایک جگہ آپ نے اس سے جماع مراد لیا ہے جبکہ دوسری جگہ اس سے چھونا اور بوسہ دینا مراد لیا ہے؟ قاضی ابن العربی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جہاں ہم جماع مراد لیتے ہیں وہاں اس کا عمومی معنی مراد لیتے ہیں یعنی وہاں مراد ہر قسم کی مباشرت ہے۔مباشرت صغیرہ (چھونا یا بوسہ دینا) یا مباشرت کبیرہ (جماع) کرنا۔ قاضی ابن العربی فرماتے ہیں: قلنا: كذلك نقول في قوله تعالى: {فالآن باشروهن} [البقرة: ١٨٧]: إنها المباشرة بأسرها صغيرها وكبيرها[49]

معلوم ہوا کہ قاضی ابن العربی کے نزدیک یہاں مباشرت کے معنی میں حقیقت مجازی دونوں مفہوم شامل ہیں۔

حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھنا

امام جصاص نے اس فقہی مسئلہ کے بیان میں بھی اس قاعدہ اصولیہ کا سہارا لیا ہے۔کیا حج کے مہینوں سے پہلے بھی حج کا احرام باندھا جا سکتا ہے؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔امام جصاص نے اس مسئلے پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت منقول ہے کہ حج کی سنت یہ ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں سے پہلے نہیں باندھا جائے گا۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک روایت منقول ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینے سے پہلے باندھا جا سکتا ہے۔[50]امام جصاص فرماتے ہیں کہ احناف کا بھی یہی مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص حج کے مہینے سے پہلے احرام باندھ لے تو اس سے عمرہ کرے گا اور اگر عمرہ نہ کر سکا یہاں تک کہ حج کے ایام شروع ہو گئے تو وہ اسی احرام سے حج کرے اس کو نئے سرے سے حج کا احرام باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جبکہ امام شافعی اور امام اوزعی کے نزدیک وہ ایسے احرام سے عمرہ ہی کرے گا حج نہیں کر سکتا۔[51]

قران کریم کی آیت مبارکہ[52]کا عموم یہ بتا رہا ہے کہ سارے کے سارے ماہ حج کا وقت ہوں۔اور یہ بات معلوم ہے کہ یہاں وقت سے مراد حج کے افعال کا وقت نہیں ہو سکتا کیونکہ حج کے افعال تو بالاتفاق حج کے ایام میں ہی ادا کیے جائیں گے پورا سال ادا نہیں کیے جا سکتے۔ظاہر سی بات ہے کہ پھر اس سے مراد حج کا احرام ہی ہو گا کہ وہ ان ماہ

سے ہٹ کر بھی باندھا جا سکتا ہے۔ ہم اس سے مراد احرام اس لیے لیتے ہیں تا کہ آیت کے مصداق پر عمل ممکن ہو سکے۔ امام جصاص نے تفصیلی دلائل سے اپنا موقف ثابت کیا ہے۔

دلائل کے باب میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آیت مبارکہ:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ[53]

(حج چند معلوم مہینے ہیں) میں حج سے مراد حج کے افعال ہیں نہ کہ حج کا احرام۔ دونوں معنی مراد لینا حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا ہے کیونکہ ان دونوں میں سے مقصود تو ایک ہی ہے اور وہ افعال حج ہے احرام کو حج کا نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ وہ مقصود (افعال حج) کی ادائیگی کے لیے سبب بن رہا ہے اور سبب کو مسبب کا نام دینا بطور مجاز ہوتا ہے لہذا حج بول کر احرام باندھنا مراد لینا اس کا مجازی معنی ہے۔ آیت مبارکہ کے اس ٹکڑے میں بالاتفاق افعال حج مراد لے لیا گیا تو پھر احرام حج مراد نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ ایک ہی لفظ سے دونوں معنی مراد لینا جائز نہیں ہے امام جصاص فرماتے ہیں:

ومتى أراد الأفعال انتفى الإحرام لامتناع إرادتهما بلفظ واحد لأن أحدهما هو المقصود بعينه وهو أفعال المناسك والآخر سبب له سمي باسمه على طريق المجاز فغير جائز أن يرادا جميعا بلفظ واحد۔[54]

قاضی ابن العربی کی رائے

قاضی ابن العربی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے 11 مسائل بیان فرمائے۔ پانچویں مسئلہ کے تحت اس اختلافی مسئلہ کو بیان فرمایا۔ قاضی ابن العربی فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حج کے احرام کو حج کے مہینوں سے پہلے نہیں باندھا جا سکتا جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک باندھا جا سکتا ہے۔ اور قاضی ابن العربی کا بھی یہی موقف ہے۔ قاضی ابن العربی اس مسئلہ میں وارد اقوال بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں

وأن القول فيها دائر من قبل الشافعي على أن الإحرام ركن من الحج مختص بزمانه، ومعولنا على أنه شرط فيقدم عليه[55]

"امام شافعی کے نزدیک چونکہ احرام حج کا رکن ہے اس لیے حج کے ایام میں ہی اس کی ادائیگی کی جائے گی۔ جبکہ ہم اس کو شرط مانتے ہیں اس لیے مقدم کرتے ہیں۔" معلوم ہوا کہ قاضی ابن العربی کے نزدیک بھی حج کا احرام حج کے ایام سے پہلے باندھا جا سکتا ہے۔

مذکورہ قاعدہ سے قاضی ابن العربی کا استدلال

تفسیر احکام القرآن کا مطالعہ کرنے سے کچھ مقامات سے یہ معلوم ہوتا ہے قاضی ابن العربی کے ہاں ایک لفظ میں حقیقی اور مجازی دونوں معنی جمع کیے جا سکتے ہیں۔ چند مقامات کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

اولاد کے لفظ میں پوتے بھی شامل ہیں

آیت میراث[56] کی تفسیر کرتے ہوئے قاضی ابن العربی نے اولاد کے لفظ کی وضاحت فرمائی اور یہ لکھا کہ یہ لفظ اولاد اور اس اولاد کی اولاد یعنی پوتوں نواسوں سب کو شامل ہو گا۔ قاضی ابن العربی فرماتے ہیں: قوله: {في أولادكم} [النساء: ١١] يتناول كل ولد كان موجودا من صلب الرجل دنيا أو بعيدا[57] مزید آگے اس شمولیت کی وجہ بھی بتائی۔ بعض مالکیہ کے نزدیک یہ لفظ حقیقی اولاد کو بطور حقیقت شامل ہو گا جبکہ اولاد کی اولاد کو بطور مجاز شامل ہو گا اور بعض کے نزدیک سب کو بطور حقیقت شامل ہو گا۔ قاضی ابن العربی فرماتے ہیں: والصحيح عندي أنه مجاز في البعداء بدليل أنه ينفي عنه؛ فيقال ليس بولد، ولو كان حقيقة لما ساغ نفيه[58]

"میرے نزدیک یہ لفظ دور کی اولاد کے لئے بطور مجاز استعمال ہو گا۔ کیونکہ اس لفظ سے ان کی نفی کی جاسکتی ہے یعنی پوتے کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بیٹا نہیں ہے اور اگر بطور حقیقت ہو تا تو نفی جائز نہ ہوتی۔"

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ[59] میں ثیاب سے مراد

ثیاب کے لفظ سے مراد کے تعین میں قاضی ابن العربی کی تفسیر کا خلاصہ درج ذیل ہے ا:

آیت مبارکہ میں ثیاب سے کیا مراد ہے؟ علماء کے اس بارے میں دو اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ثیاب سے مراد نفس ہے۔ اور یہاں نفس کو پاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس صورت میں یہ اس لفظ کا مجازی معنی ہے۔ ثیاب کا لفظ بول کر بطور مجاز نفس مراد لینا کلام عرب سے ثابت ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں ثیاب سے مراد اس کا حقیقی معنی یعنی پہننے والے کپڑے ہیں۔ قاضی ابن العربی کے نزدیک آیت کے معنی میں عمومیت پیدا کرتے ہوئے دونوں معنی بیک وقت مراد لیے جاسکتے ہیں۔

قاضی ابن العربی فرماتے ہیں: ليس بممتنع أن تحمل الآية على عموم المراد فيها بالحقيقة والمجاز، على ما بيناه في أصول الفقه[60]

"آیت مبارکہ کو عمومی مفہوم پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔ جس میں حقیقی اور مجازی دونوں معانی شامل ہوں اس اصول کو ہم اصول فقہ کی کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔"

یہ ایک اختلافی قاعدہ ہے۔ امام جصاص حقیقت و مجاز کو جمع کرنے کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ احناف کا بھی موقف ہے اور اکثر محققین اصولین کا بھی یہی موقف ہے جب کہ قاضی ابن العربی کے نزدیک حقیقت و مجاز کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ دونوں حضرات نے تفسیر قرآن کے دوران اپنے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے مسائل کا استنباط کیا ہے۔

نتائج بحث

1۔ امام جصاص اور قاضی ابن العربی کے نزدیک حقیقت کا حکم یہ ہے کہ جو لفظ جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو وہ معنی اس سے ثابت ہوں گے اور شرعی حکم بھی اس معنی کے ساتھ متعلق ہو گا۔

2۔ امام جصاص اور قاضی ابن العربی دونوں کے نزدیک حقیقت کو مجاز کے مقابلے میں ترجیح حاصل ہو گی یعنی جہاں تک ممکن ہو لفظ کو اس کے حقیقی معنی میں استعمال کیا جائے گا۔

3۔ الحقیقة مقدمة علی المجاز ایک اصولی قاعدہ ہے جس میں امام جصاص اور قاضی ابن العربی دونوں کا اتفاق ہے۔ دونوں نے اپنی تفاسیر میں اس قاعدہ سے دلیل پکڑتے ہوئے مسائل کا استنباط کیا ہے۔

4۔ ھل یجوز الجمع بین الحقیقة والمجاز فی لفظ واحد؟ ایک اختلافی قاعدہ ہے۔ امام جصاص کے نزدیک کسی لفظ کے حقیقی اور مجازی معنٰی بیک وقت مراد نہیں ہوں گے جب کہ قاضی ابن العربی کے نزدیک مراد لیے جاسکتے ہیں

5۔ اس اصولی قاعدہ میں اختلاف کی وجہ سے دونوں تفاسیر میں استنباط شدہ احکام میں اختلاف ظاہر ہوا ہے۔

6۔ قاضی ابن العربی نے بالعموم فقہ مالکی کے اصول وضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے احکام کا استنباط کیا ہے جبکہ امام جصاص نے اکثر مقامات پر فقہ حنفی کے اصول وضوابط کو مدنظر رکھ کر استدلال کیا ہے۔

حوالہ جات

[1]۔ ابن منظور، لسان العرب، ج10، ص21، (مادہ حقق)۔ جرجانی، التعریفات، ص121۔

[2]۔ الشوکاني، محمد بن علي بن محمد بن عبد الله، ارشاد الفحول، الناشر: دار الکتاب العربي، الطبعة الأولی ١٤١٩ھ-١٩٩٩م۔، ص21۔

[3]۔ الشاشي، أبو علي أحمد بن محمد بن إسحاق الشاشي, أصول الشاشي،، دار الکتاب العربي-بیروت، ص23۔

[4]۔ السرخسی ، اصول السرخسي، أبو بکر محمد بن أحمد بن أبي سھل، لجنة إحیاء المعارف النعمانیة بحیدر آباد بالھند، 1993، ج1، ص 170۔

[5]۔ ابن العربی، القاضي محمد بن عبد الله أبو بکر المعافري الإشبیلي المالکي، احکام القرآن، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت-لبنان، الطبعة: الثالثة، ١٤٢٤ھ-٢٠٠٣م۔، ج1، ص592۔

[6]۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج4، 323۔ جصاص، احکام القرآن، ج3، ص170۔

7۔ جصاص، احمد بن علي ابو بكر الرازي الحنفي ،احكام القرآن، تحقيق محمد صادق القمحاوي، دار احياء التراث العربي ، بیروت، 1405ھ، ج5، ص234۔

8۔ جصاص، احکام القرآن، ج1، ص375۔

9۔ جصاص، احکام القرآن، ج1، ص138۔

10۔ جصاص، احکام القرآن، ج3، ص138۔

11۔ جصاص، احکام القرآن، ج3، ص170۔

12۔ ابن نجیم، الاشباۃ والنظائر، ج1، ص59۔

13۔ الخبازي، عمر بن محمد بن عمر جلال الدين، المغني في أصول الفقه، تحقيق محمد مظهر بقا، جامعة أم القرى-مكة المكرمة، 2008، ص138۔

14۔ ابن رشیق، الحسین بن رشیق المالکي، لباب المحصول، دار البحوث للدراسات، ط1، 2001ء، ج2، ص485۔

15۔ البخاري، علاء الدين، عبد العزيز أحمد بن محمد، كشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزدوی، دار الكتب العلمیہ بیروت، لبنان 1997، ج2، ص40۔

16۔ سورہ نور: 3۔

17۔ جصاص، احکام القرآن، ج5، ص108۔

18۔ ایضا۔

19۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مرثد بن مرثد نامی صحابی وہ ایسے (جی دار و بہادر) شخص تھے جو (مسلمان) قیدیوں کو مکہ سے نکال کر مدینہ لے آیا کرتے تھے، اور مکہ میں عناق نامی ایک زانیہ، بدکار عورت تھی، وہ عورت اس صحابی کی (ان کے اسلام لانے سے پہلے کی) دوست تھی، انہوں نے مکہ کے قیدیوں میں سے ایک قیدی شخص سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ اسے قید سے نکال کر لے جائیں گے، کہتے ہیں کہ میں (اسے قید سے نکال کر مدینہ لے جانے کے لیے) آ گیا، میں ایک چاندنی رات میں مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے سایہ میں جا کر کھڑا ہوا ہی تھا کہ عناق آ گئی۔ دیوار کے اوٹ میں میری سیاہ پرچھائیں اس نے دیکھ لی، جب میرے قریب پہنچی تو مجھے پہچان کر پوچھا: مرثد ہو نا؟ میں نے کہا: ہاں، مرثد ہوں، اس نے خوش آمدید کہا، (اور کہا:) آؤ، رات ہمارے پاس گزارو، میں نے کہا: عناق! اللہ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے، اس نے شور مچا دیا، اے خیمہ والو (دوڑو) یہ شخص تمہارے قیدیوں کو اٹھائے لیے جا رہا ہے، پھر میرے پیچھے آٹھ آدمی دوڑ پڑے، میں خندمہ (نامی پہاڑ) کی طرف بھاگا اور ایک غار یا کھوہ کے پاس پہنچ کر اس میں گھس کر چھپ گیا، وہ لوگ بھی اوپر چڑھ آئے اور میرے سر کے قریب ہی کھڑے ہو کر۔ انہوں نے پیشاب کیا تو ان کے پیشاب کی بوندیں ہمارے سر پر ٹپکیں، لیکن اللہ نے انہیں اندھا بنا دیا، وہ ہمیں نہ دیکھ سکے، وہ لوٹے تو میں بھی لوٹ کر اپنے ساتھی کے پاس (جسے اٹھا کر مجھے لے جانا تھا) آ گیا، وہ بھاری بھر کم آدمی تھے، میں نے انہیں اٹھا کر (پیٹھ پر) لاد

لیا، اذخر (کی جھاڑیوں میں) پہنچ کر میں نے ان کی بیڑیاں توڑ ڈالیں اور پھر اٹھا کر چل پڑا، کبھی کبھی اس نے بھی میری مدد کی (وہ بھی بیڑیاں لے کر چلتا) اس طرح میں مدینہ آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں عناق سے شادی کر لوں؟ (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے مجھے کوئی جواب نہیں دیا، پھر یہ آیت «الزاني لا ينكح إلا زانية أو مشركة والزانية لا ينكحها إلا زان أو مشرك وحرم ذلك على المؤمنين» "زانی زانیہ یا مشرکہ ہی سے نکاح کرے اور زانیہ سے زانی یا مشرک ہی نکاح کرے، مسلمانوں پر یہ نکاح حرام ہے" (النور: ۳)، نازل ہوئی آپ نے (اس آیت کے نزول کے بعد مرثد بن ابی مرثد سے) فرمایا: "اس سے نکاح نہ کرو"۔ (الترمذی، سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب وَمِنْ سُورَةِ النُّورِ، حدیث نمبر: 3177۔

[20]۔ الجصاص، احکام القرآن، ج5، ص108۔

[21]۔ الجصاص، احکام القرآن، ج5، ص108۔

[22]۔ وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىِٕكُمْ (سورة نور:32)

[23]۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج3، ص338۔

[24]۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج3، ص339۔

[25]۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج3، ص340۔

[26]۔ ایضاً۔

[27]۔ ایضاً۔

[28]۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج4، ص414۔

[29]۔ سورۃ النساء: 86۔

[30]۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج1، ص590۔

[31]۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج1 ص591۔

[32]۔ ایضاً۔

[33]۔ سورۃ المائدۃ: 95۔

[34]۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج2، ص180۔

[35]۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج4، ص323۔

[36]۔ الجصاص، احکام القرآن، ج3، ص175۔

[37]۔ الجصاص، احکام القرآن، ج3، ص170۔

38۔ ایضا۔

39۔ سورۃ المزمل:20۔

40۔ ایضا،ض5،368۔

41 ایضا،ج2،ص27۔

42۔ الجصاص، الفصول فی الاصول، ج1، ص203،370۔

43۔ الشوکانی، ارشاد الفحول، ص28۔ القرافی، تنقیح الفصول، ص94۔

44۔ الجصاص، احکام القرآن، ج4، ص6۔

45۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج1، ص564۔

46۔ سورۃ البقرۃ:187

47. الجصاص، احکام القرآن، ج 1 ، ص306۔

48۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج1، ص136۔

49۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج1، ص136۔

50۔ الجصاص، احکام القرآن، ج1، ص374۔

51۔ الجصاص، احکام القرآن، ج1، ص374۔۔

52 ۔ يَسْـئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ-(البقرة :189)

53۔ سورۃ البقرۃ:197

54۔ الجصاص، احکام القرآن، ج 1 ، ص379۔

55۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج1، ص188۔

56۔ سورۃ النساء:11۔

57. ابن العربی، احکام القرآن، ج1، ص433۔

58۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج1، ص434۔

59۔ سورۃ المدثر:4۔

60۔ ابن العربی، احکام القرآن، ج4، ص340۔